ہمارے غوری صاحب

یہ غالباً ۱۹۹۶ء کی بات ہے، ہمیں معلوم ہوا کہ ''المورد'' میں ایک نئے اسکالر تشریف لا رہے ہیں، ان کی خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے بائیبل کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا ہوا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو پیشین گوئیاں اس میں بیان ہوئی ہیں، ان کے حوالے سے وہ کوئی تصنیف لکھ رہے ہیں۔ قرآن مجید کا طالب علم ہونے کے ناتے میں اس بات کو جانتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے حوالے سے کئی اشارات ہیں، لیکن یہ کبھی نہ سوچا تھا کہ ہمارے ہی ایک ساتھی اس پر ایک وقیع علمی کام کرنے والے ہیں۔

غوری صاحب سے جب ملاقات ہوئی، وہ سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی حد تک بڑھاپے کی عمر میں تھے، لیکن کون جانتا تھا کہ اللہ ان کو کم وبیش اسی (۸۰) سال کی عمر سے نوازے گا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے کبھی وقت ضائع نہیں کیا، جب بھی ان کو دیکھا تو کچھ پڑھتے ہوئے یا کچھ لکھتے ہوئے دیکھا۔ پھر اس کے علاوہ ان کی ایک بات جو مجھے بے حد پسند تھی، وہ ان کا ذوق عبادت تھا۔ اس قدر انہماک سے نماز پڑھتے، گویا کہ اس حدیث پر عمل کر رہے ہیں، جب تم نماز پڑھو تو ایسے پڑھو جیسے تم زندگی کی آخری نماز پڑھ رہے ہو۔ میں نے نماز میں اتنا انہماک بہت کم دیکھا ہے۔ غوری صاحب جتنا بھی ضروری کام کر رہے ہوں، نماز اور جماعت کے معاملے میں انھیں کبھی سستی کرتے نہیں دیکھا۔

غوری صاحب نے جب یہ دیکھا کہ کتاب کا مصنف کمپیوٹر پر اپنی کتاب خود ہی کمپوز کر سکتا ہے اور اسے ہاتھ سے لکھ کر ٹائپسٹ سے ٹائپ کروا کے پروف ریڈنگ کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں، تو انھوں نے اُس عمر میں کمپیوٹر پر کام کرنا اور ریسرچ کرنا سیکھا، جبکہ لوگ بالعموم اس طرح کی مشقت میں اپنے آپ کو ڈالنا پسند نہیں کرتے۔ انھوں

نے ٹائپنگ سیکھی، کتاب کی کمپوزنگ کے متعلق دیگر ضروری معلومات سیکھیں اور ہمیشہ اپنی کتابوں کو بہترین فارمیٹ میں تیار کر کے پرنٹ کرایا۔

جب سے ہم نے غوری صاحب کو دیکھا، وہ عمر رسیدہ ہونے کے باعث یا بیماریوں میں مبتلا ہونے کے باعث اپنے علاج معالجے کے بارے میں فکرمند رہے، دل کی بیماری جو بالآخر ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی، اس کا وہ مردانہ وار مقابلہ ساری عمر کرتے رہے، دو دہائیوں سے تو انھیں اس معرکۂ مرض وعلاج میں کامیاب ہوتے ہوئے ہم خود دیکھ رہے ہیں۔ وہ بڑی ذمہ داری سے دوا کھاتے اور کسی قسم کی بدپرہیزی نہ کرتے اور بیماری کو اپنے سے دور ہی روکے رکھتے تھے۔

غوری صاحب کبھی کبھار اپنے بچپن کے واقعات بھی سنایا کرتے تھے کہ کیسے وہ ہجرت کر کے پاکستان پہنچے اور غالباً جھنگ میں ان کے والد آ کر قیام پذیر ہوئے۔ وہیں غوری صاحب کی اسکول کی تعلیم مکمل ہوئی، بتاتے ہیں کہ اس وقت غربت کا یہ عالم تھا کہ پاؤں میں پہننے کے لیے جوتا بھی میسر نہ تھا، گرمیوں کی کڑکتی دھوپ میں اسکول سے واپس آتے ہوئے پاؤں تپش سے جل رہے ہوتے تھے اور وہ سڑک پر اپنے لیے چھاؤں تلاش کرتے، پھر اس چھاؤں میں کھڑے ہو کر دیکھتے کہ اگلا درخت یا چھاؤں کی کوئی چیز کہاں ہے، پھر ننگے پاؤں بھاگ کر اس تک پہنچ جاتے اور اگلا سایہ تلاش کرتے۔

غوری صاحب کی خواہش تھی کہ میں اپنے پیچھے کوئی اپنا علمی وارث چھوڑ جاؤں جو تقابل ادیان کے حوالے سے میرے افکار کو آگے لے کر چلے۔ جب ان کا بیٹا ڈاکٹر احسان غوری علمی میدان میں داخل ہوا اور اس نے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی میں انھی کی علمی لائن کو اختیار کیا تو یہ بات ان کے لیے بے حد اطمینان کا باعث بنی۔

محترم غوری صاحب کے ساتھ مل کر کام کرنے کا اتفاق اس وقت ہوا، جب اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ پر ایک کتاب جو سید سلیمان سلمان منصور پوری صاحب کی تالیف تھی، اس کے انگریزی ترجمے کے سلسلے میں مؤلف کے نواسے قاضی معزالدین نے غوری صاحب سے رابطہ کیا۔ وہ اس کتاب کا کہیں سے ترجمہ کرا کے لائے تھے جو بہت سادہ اور سطحی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ قاضی صاحب کی خواہش تھی غوری صاحب اس کی زبان میں اصلاح کر دیں، غوری صاحب کا کہنا تھا: اس ترجمہ میں اتنی کمیاں اور غلطیاں ہیں کہ اس کی اصلاح سے بہتر ہے انسان خود کتاب کا نیا ترجمہ کر لے۔ پھر ہفتوں، بلکہ مہینوں اس پر کام کرتے رہے اور اسے بہترین شکل میں طباعت کے لیے تیار کیا، اس دوران غوری صاحب نے میری یہ ذمہ داری لگائی کہ کتاب میں مذکور جتنی احادیث ہیں، ان کے اصل متن تلاش

کر کے حوالے کے ساتھ شامل کروں۔ اللہ کا شکر ہے، میں اس بھاری ذمہ داری سے بخوبی عہدہ برآ ہو گیا۔

جب ہم علم رجال کی کتابیں پڑھتے ہیں تو علمی خدمت کرنے والے بڑے لوگوں کے حوالے سے وہاں ایک جملہ اکثر لکھا ہوا ملتا ہے کہ وہ صاحب اپنے بعد ایک ایسا خلا چھوڑ گئے ہیں جسے پُر کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں۔ میں جب بھی غوری صاحب کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے ان کے بارے میں بالکل یہی احساس ہوتا ہے کہ کوئی بھی ان کی کمی کو پورا نہیں کر سکتا۔

جب ان کے جنازے کے لیے گئے اور ان کی میت کو دیکھنے کا موقع ملا، کیا اطمینان کی نیند سو رہے تھے۔ ان کو دیکھنے والے کو یہی احساس ہو رہا تھا کہ اے نفس مطمئنہ، اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ وہ تجھ سے راضی ہے اور تو اس سے۔

أللّٰھم اغفر له وارحمه وأدخله فسیح جناتك. أللّٰھم لا تحرمنا أجره، ولا تفتنا بعده، واجعل الجنة دار قراره۔

—— محمد سمیع مفتی

(سابق استاد، المورد)